اقتباسات

عماد احمد بنیادی طور پر ایک نظریہ نگار اور مصلح کی پہچان رکھتے ہیں۔ شاعری کو انہوں نے بطور آلہ استعمال کر کے قارئین تک ایک نظریاتی فکر پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں روایتی شاعرانہ لفاظی کے بجائے انکے تجربات اور اپنی ذات کی تہہ تک کیے جانے والے سفر کی جھلک نظر آتی ہے۔ عماد احمد کی آج تک شائع ہونے والی کتب میں کسی ادیب یا شاعر کا دیباچہ نظر نہیں آیا، جس کی وجہ انہوں نے اپنی پہلی کتاب کے انتساب میں ہی واضح کر دی ہے۔ انکی کتب کے ابتدائی نثری حصوں کو یکجا کیا جائے تو یہ حصے اپنی انفرادی حیثیت رکھنے کے باوجود ایک تسلسل کے حامل بھی ہیں۔ ذیل میں انکی کتب کے اقتباسات ترتیب وار فراہم کر دیے گئے ہیں۔

حرفِ آغاز (قلب و آگہی)

https://emad-ahmad.com/

یہ کتاب میری تخلیقی زندگی کے سات خشک سالی کے برسوں اور ایک رس نچوڑنے کے سال کا نتیجہ ہے۔ عمر کے پہلے اکتیس سالوں میں جو کچھ میں نے تحریر کیا، وہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بیشتر دانستہ اور کچھ نادانستہ۔ اس کے بعد آنے والے سات برسوں میں میں نے ایک مصرع بھی نہ کہا۔ اس ہفت سالہ زندگی کا احوال ایک تفصیلی ذکر کا محتاج ہے سو اس تذکرے کو کبھی اور کے لیے اُٹھاتے ہوئے یہاں صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ قلب شاید کیفیتِ اظہار سے زیادہ کیفیتِ جذب میں تھا۔ سو اگرچہ میری زبان اس مدت میں کوئی نمو ظاہر نہ کر سکی مگر میرے اندر کی تشکیل میں ان کا نمایاں کردار ہے۔ بس اندر کا ایک سفر تھا جو شروع ہوا اور پھیلتا چلا گیا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ عَسَىٰ رَبِّيٓ اَنْ يَّهْدِيَنِي سَوَآءَ السَّبِيلِ سے شروع ہونے والا یہ سفر اتنا لمبا، پر پیچ اور حیران کن ہو گا مگر اپنی زندگی کے مدین کا رخ کرتے وقت کسے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے ماہ و سال اور کتنے سنگ میل آئیں گے چوٹی پہ آگ دیکھنے سے قبل؟ بلکہ کسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چوٹی یا کوئی آگ ہے بھی؟ انسان تو بس اپنے اندر ایک آگ لیے ایک موہوم اشارے کے پیچھے چل پڑتا ہے۔

اس سفر نے میری تعمیر بھی کی ہے، تشکیل بھی؛ مجھے توڑا بھی ہے اور جوڑا بھی۔ استعارہ نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ مجھے واقعی خود کو ریزہ ریزہ کرنے اور دوبارہ خود کو جوڑنے کے عمل سے بالتفصیل گزرنا پڑا ہے۔ وہ شخص جسے میں برسوں پیچھے چھوڑ

آیا تھا، نہ تو مانوس لگتا ہے، نہ معلوم۔ یہ کچھ سال جگ شناسی سے چلے اور خود شناسی سے ہوتے ہوئے خدا شناسی کی اوّلین منزلوں تک لے گئے گویا سفر شروع ہو گیا کہ اب خدا شناسی کی آخری منزل تک تو نہ کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا۔

جگ شناسی تو جو ہوئی سو ہوئی۔ اس کا تذکرہ یہاں محال بھی ہے اور غیر ضروری بھی۔ ہاں اس کا کچھ پر تو میری شاعری میں نظر آ جائے تو اور بات ہے۔ خدا شناسی جو ہوئی؛ وہ ایک سمندر ہے جو نثر کی کچھ کتب کی صورت میں میں تفصیلاً بیان کر پاؤں گا۔ اس کا موقع تو ہے کہ اس کا موقع تو ہمیشہ ہوتا ہے مگر ان مختصر صفحات میں میرا قلم اس جامع مضمون کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ابھی بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ قلب نے کچھ گفت و شنید کی ہے جو بشرطِ زندگی اور بشرطِ اذنِ ربی کچھ اور صفحات پر بیان ہو گی۔

خود شناسی کی بات خیر ہو سکتی ہے کہ وہ بر محل بھی ہے اور قابلِ بیان بھی۔ خود کو سمجھا تو جانا کہ میں بنیادی طور پر ایک تثلیث ہوں۔ مجھ میں تین انسان رہتے ہیں۔ پہلا شخص خالصتاً نظریاتی ہے۔ میری زندگی کو بھی بحیثیت مجموعی وہی جی رہا ہے۔ میری زندگی کے سارے فیصلے وہی کرتا ہے۔ میرے اندر دوسرا مکین ایک عملی آدمی ہے۔ اب چونکہ حکومت نظریاتی انسان کی ہے تو وہ اپنے عمل کا دائرہ ان نظریات کی حد میں رہتے ہوئے کھینچتا ہے مگر جتنی آزادی اسے حاصل ہے؛ اس میں رہتے ہوئے وہ بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ اس آدمی کو دنیا جانتی ہے اور معاشرہ تسلیم کرتا ہے۔ جو مجھے دنیا داری کے حوالوں سے جانتا ہے انہی دو میں سے کسی ایک یا دونوں حوالوں سے جانتا ہے۔

ان دو مضبوط لوگوں کے بیچ میں میرے اندر ایک کمزور شخص بھی رہتا ہے۔ یہ اپنے گھر میں بھی اجنبی ہے۔ یہ شخص شاعر ہے؛ خواب دیکھتا ہے؛ ہنستا اور روتا ہے؛ مگر یہ تنہائی پسند ہے اور خاموش رہنا اسے اچھا لگتا ہے۔ اس نے خاموشی سے میرے اندر کے باقی دونوں انسانوں کو ایک زندگی کی تشکیل کرتے دیکھا ہے۔ یہ کتاب اسی خاموش شخص نے لکھی ہے۔ تبھی اس کتاب میں نہ میرے نظریات نظر آئیں گے نہ میرا عملی ہونا۔ اگر نظر آئیں گے تو وہ جذبے جو ایک مضبوط زندگی کی تشکیل کے نتیجے میں ایک کمزور انسان کے مقدر میں آتے ہیں یا یوں کہیے کہ یہ ایک با مقصد زندگی گزارنے کے عمل کے دوران اندر کے انسان پر گزرنے والے حوادث کا بیان ہے۔

اِس کتاب میں آپ کو کسی شاعر یا ادیب کا تحریر کردہ دیباچہ یا مقدمہ نظر نہیں آئے گا۔ اِس کی وجہ میں خود ہوں۔ میں محض کتاب کی تشہیر کی خاطر کسی ادیب سے کچھ الفاظ تحریر کروا کر زیبِ قرطاس کرنے کو مناسب نہیں سمجھتا۔ میرے لیے یہ

ضروری تھا کہ کوئی ایسا شخص مقدمہ لکھتا جو اگر کتاب اور صاحبِ کتاب کی زندگی کے منظر اور پسِ منظر کا حصہ نہیں تو کم از کم اس سے کچھ نسبت ضرور رکھتا ہوتا۔ میں اپنی زندگی کے تینوں بنیادی رخوں؛ تخلیقی، عملی اور نظریاتی میں ایسا کوئی شخص نہیں پاتا۔ ان تینوں ہی پہلوؤں میں نہ میرا کوئی استاد رہا ہے اور نہ ہی کوئی ہم سفر؛ ہاں گاہے بہ گاہے کچھ راہزنوں سے ضرور واسطہ پڑتا رہا ہے۔ ان تینوں پہلوؤں کی تشکیل تنہائی میں ہوئی ہے۔ انہوں نے بن باس گمنامی میں کاٹے ہیں اور اب جس سنگِ میل پر میں پہنچا ہوں محض اذنِ ربی سے پہنچا ہوں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میں نے خشک سالی کے ان برسوں سے قبل کہی جانے والی تمام شاعری سالہاسال پہلے ہی تلف کر دی تھی اور زندگی کے ان سالوں کی شاعری نہ تو اس کتاب میں ہے اور نہ ہی میرے پاس محفوظ ہے، ماسوائے اس ایک قطعے کے، جو تقریباً بیس برس پرانا ہے۔ یہ مجھے یاد تھا اور شاید اسی لیے یاد رہ گیا تھا کہ اقتباس کا حصہ بن جائے۔۔۔

آنکھوں سے کربِ ذات چھپایا نہیں گیا

عمرِ رواں کا بوجھ اُٹھایا نہیں گیا

پل پل کشید کر کے گزاری ہے زندگی

ہستی کا قرض پھر بھی چکایا نہیں گیا

https://emadahmad.com/

والسلام

عماد احمد

۲۲ شوال، ۱۴۴۱ ہجری

بمطابق ۱۴ جون ۲۰۲۰ء

عرضِ مکرر (قلب و آگہی)

قلب و آگہی کی اشاعتِ دوئم حاضرِ خدمت ہے۔ اب سے محض تین ماہ قبل کتاب کی رونمائی کے وقت میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی کم مدت میں ۱۰۰۰ کتب اپنے قارئین تک رسائی حاصل کرلیں گی۔ میرے لیے یہ امر باعثِ مسرت بھی ہے اور موجبِ تشکر بھی۔ اس مختصر سے عرصہ میں بہت سے احباب نے مجھ سے رابطہ فرمانے کی کوشش کی۔ کچھ سے بات ہوسکی اور کچھ کے پیغامات بالواسطہ ملتے رہے۔ مجھے خوشی ہے کہ قارئین کی ایک بہت بڑی تعداد نے وہ سوالات اُٹھائے جو میرا متمعِ نظر تھے۔

کچھ سوالات تو تواتر سے پوچھے گئے مثلاً یہ کہ میں نے سات سال چپ کیوں سادھے رکھی؟ یا یہ کہ سات سالوں کا وہ سفر جو میرے اندر رہا ہے اس کا کیا ماجرا ہے؟ کچھ نے لکھا کہ یہ ظاہر ہے کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ بتایا ہے اس سے زیادہ چھپایا ہے۔ کچھ احباب تو بات کی مکمل گہرائی تک پہنچ گئے اور مجھ سے کہف، لوح، نفس اور علمِ تاویل کے بارے میں پردہ کشائی کا تقاضا کیا۔

میں بنیادی طور پر شعراء کے قبیل سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔ میں کبھی اردو ادب یا کسی بھی زبان کے ادب کا طالبِ علم رہا ہی نہیں۔ میری تعلیم بھی اکاؤنٹنگ اور قانون کے میدانوں میں ہے۔ میں نے نہ کبھی مشاعرے پڑھے ہیں، نہ شعراء کی محافل میں اُٹھا بیٹھا ہوں اور میرا سرِ دست ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں ہے۔ ہاں اللہ نے شعر کہنے کی ایک صلاحیت ودیعت کی ہوئی ہے، سو جب قلب کا پیالہ بھر گیا تو چھلک اُٹھا اور قلب و آگہی تخلیق پذیر ہوئی۔

قارئین نے میری دلچسپیوں کے بارے میں جو سوالات اُٹھائے ہیں ان کا مکمل تذکرہ تو شائد نثر کی دو یا تین کتب میں ممکن ہو مگر یہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری بنیادی دلچسپی کے مضامین چار ہیں۔ ان میں پہلا تو نفسِ انسانی، اس کے ارتقا، تنزلی اور ترقی کو جیسے میں سمجھا ہوں، وہ ہے۔ کچھ لوگوں نے روحانیت کی بھی بات کی ہے مگر وہ اسی سفر کا ایک جزو ہے جسے اکیلے پڑھا تو جا سکتا ہے مگر جیا نفس کے سفر کے ساتھ ہی جاتا ہے۔ میری دوسری دلچسپی علمِ تاویل ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا عرصہ اسی دشت کی سیّاحی میں گزارا ہے۔ تیسرے طور پر مَیں علمِ آخرُ الزّماں میں نہ صرف یہ کہ دلچسپی رکھتا ہوں بلکہ اسکی عملی شکل پر بھی بہت کام کر چکا ہوں۔

https://emad-ahmad.com

اب عزلت نشینی کے بہت برسوں کے بعد میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا کہ یہ سارا سفر اپنے اندر ہی رکھوں اور اپنے ساتھ ہی لحد میں لے جاؤں۔ یہاں سے میرا آخری شوق پھوٹتا ہے جو ٹریننگ اور ڈیویلپمنٹ ہے۔ اس کا مقصد انفرادی اور اجتماعی حیثیت میں قلوبِ انسانی کو حقیقت سے روشناس کرنا ہے۔ یہاں بس اتنی ہی تمہید کو کافی سمجھتا ہوں کہ اس سے قارئین یہ سمجھ پائیں گے کہ شاعری کی یہ کتاب ایک نظریاتی اور عملی انسان کی زندگی کا تعارف ہے اور اس میں دیدۂ بینا کو وہ سفر نظر آسکتا ہے جو شاید کل کو اس کے بھی نصیب میں ہو۔

کتاب کی دوسری اشاعت میں ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ اشاعتِ اوّل میں طباعت کی کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں جن کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ بہت احباب کو یہ بھی شکایت تھی کہ میں نے یہ تو بتا دیا کہ میری پہچان لوح و غار سے ہے مگر اپنا دنیاوی تعارف نہیں کروایا۔ عمر کا بالواسطہ ذکر تو خیر کتاب کے دیباچے میں تھا مگر اب میں نے کتاب کے آخری صفحہ پر اپنا ایک سرسری تعارف بیان کر دیا ہے۔ میرا تفصیلی تعارف میری ویب سائیٹ پر دیکھا جاسکتا ہے۔

دعا ہے کہ یہ کتاب اندر کے بہت سے سفروں کے لیے معاون ثابت ہو۔ آمین

والسلام

عماد احمد

۲۲ محرم الحرام ۱۴۴۲ ہجری

بمطابق ۱۱ ستمبر ۲۰۲۰ء

https://emad-ahmad.com/

بیان حال (کیمیا گر)

بات کو وہیں سے جوڑتے ہیں جہاں پچھلی کتاب میں چھوڑا تھا۔ تو گویا سات برس کا بَن باس بھی کاٹ لیا۔ دوبارہ اذنِ سفر بھی پالیا۔ سامنے پھر سے کچھ اشارے تھے۔ ایک چوٹی تھی اور اس پر آگ تھی۔ معلوم ہوا کہ قلب و آگہی تو خود بھی ایک سنگِ میل ہی ہے۔ قلب کی آگہی کے بعد بھی بہت منزلیں ہیں۔ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے انہی نئی مسافتوں اور منزلوں کا تذکرہ ہے۔

میری خواہش ہے کہ سرِ دست وہ بات کہہ دوں جو اس کتاب کو پڑھنے یا نہ پڑھنے کا فیصلہ کرنے میں آپ کی مدد کر سکے۔ جناب اگر آپ کو شاعری پڑھ کر سُرور حاصل ہوتا ہے اور یہ ذہنی عیاشی کیف آور ہے تو یقین جانئے ایک سے بڑھ کر ایک عمدہ شاعر اور کمال سے کمال تر شاعری کی کتب دستیاب ہیں۔ دنیاِت نئے ردیف ڈھونڈ رہی ہے اور قافیہ باندھنے کا فن اپنے عروج پر ہے۔ راقم تو اس دوڑ میں شامل ہی نہیں ہے۔

ناچیز کو تو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آسکی کہ غزل کے پہلے شعر میں نوکری کے مسائل زیرِ بحث آتے ہیں، دوسرے میں محبوب کی بے وفائی کا شکوہ کیا جاتا ہے اور تیسرے میں موسم کے حال پر گفتگو کی جاتی ہے۔ یہاں تو پوری کتاب میں آپ کو وہی دو چار موضوعات کی تکرار ملے گی اور کیف و سرور کا تو میں سرے سے وعدہ ہی نہیں کرتا۔ ہاں اس کے برخلاف اگر آپ شعوری ارتقاء کے مسافر ہیں تو یہ کتاب آپ کے لئے سود مند ثابت ہو سکتی ہے اور اگر کہیں آپ قلبی ارتقاء کی کسی سیڑھی پر ہیں تب تو یہ کتاب آپ ہی کے لیے لکھی گئی ہے۔

اب آپ کہیں گے کہ پھر میں شاعر کیوں ہوں اور یہ کتاب شاعری کی کتاب کے طور پر کیوں لکھی گئی ہے۔ اس کے کئی جوابات ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک مصروف زندگی میں شعر کہنا نثر لکھنے سے آسان تر ہے یا یہ کہ شعر کی پہنچ نثر سے دور تک ممکن ہے۔ شاید یہ باتیں درست ہوں مگر اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے مجھے شعر کہنے کی ایک صلاحیت ودیعت کی ہوئی ہے اور اس کے توسط سے میں اپنی بات آسانی سے واضح کر سکتا ہوں۔ میری بنیادی دلچسپی بہر حال بات پہنچانے میں ہے نہ کہ شعر گوئی میں۔ شعر کہنا محض ایک ذریعہ ہے۔ اور اس ذریعے کا انتخاب بھی میں نے بہت سوچ سمجھ کر نہیں کیا بلکہ مجھ سے کروا دیا گیا ہے۔

https://emadahmad.com/

آپ کے ہاتھ میں موجود یہ صفحات میرے اپنے شعوری اور قلبی ارتقاء کا احوال ہیں۔ اس کتاب میں موجود ساری شاعری اکتوبر ۲۰۲۰ء سے لے کر فروری ۲۰۲۱ء تک کی گئی ہے گویا تخلیقی اعتبار سے یہ میری پہلی کتاب قلب و آگہی ہی کا تسلسل ہے۔ جو احباب یہ جانتے ہیں کہ قلب و آگہی کیسے وجود پذیر ہوئی وہ اس نکتے کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ صرف ایک برس میں دو کتب تحریر کرنے کے بعد کیا میں اس ہی تسلسل سے لکھتا رہوں گا یا نہیں مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں مجھ سے کچھ ایسے موضوعات پر شاعری ہو گئی ہے جو اَب سے پہلے میں کسی نثری کتاب میں زیرِ بحث لانا چاہتا تھا۔ نثری اس لیے کہ مجھے جن قلبی اور روحانی تجربات سے گزرنے کا موقع ملا ہے وہ آپ بیتی لکھنے کی طرف زیادہ راغب کرتے رہے ہیں۔ میں ذہنی طور پر یہی سوچتا رہا ہوں کہ فرصت ملتے ہی ایسا کچھ لکھوں گا اور پھر یک دم ان میں سے بعض موضوعات پر چند نظمیں کہی گئیں۔ اب میرا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ میں اگلی کتاب نثر کی لکھوں گا یا نظم کی۔ سوانح عمری ہو گی یا یادداشتیں۔ بہر حال عین ممکن ہے کہ آنے والے ماہ و سال میں اللہ عز و جل مجھے توفیق عطا فرمائے تو میں بیانِ حال کا یہ سلسلہ جاری رکھ سکوں۔

میری پہلی بات سے آپ کو اندازہ ہو چکا ہو گا کہ آورد پر تو میں یقین ہی نہیں رکھتا۔ میں نے جو بھی اور جب بھی لکھا ہے آمد ہی کے نتیجے میں لکھا ہے۔ اسی کو میں حقیقی معنی میں شاعری تسلیم کرتا ہوں۔ شعر کی جب آمد ہوتی ہے تو شاعر کو خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔ ظاہری طور پر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ مضامین غیب سے خیال میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر شعراء آمد کو نزول بھی کہہ دیتے ہیں مگر در حقیقت یہ بات اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتی۔

میرا تجربہ یہی رہا ہے کہ انسان کا لاشعور اس کے شعور سے کہیں پہلے علوم، مشاہدات اور معاملات کی تہوں تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ انسان کو شعوری طور پر ادراک ہی نہیں ہوتا اور لاشعور بہت سی بُنَت کر چکا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کے علم اور تجربات کا دائرہ جتنا زیادہ وسیع ہوتا ہے یہ نزول اتنا ہی معنی خیز ہوتا ہے۔ جب انسان کے لاشعور کا ارتقاء ہوتا ہے تو لاشعور اس وقت تحت الشعور میں چھپے موتی بھی قلب کی تہہ سے نکال لاتا ہے اور ایسے میں جب لاشعور اپنی پوری قوت سے ان سوچوں اور احساسات کو قلم کی نذر کرتا ہے تو شعور اس لمحے سوائے لاشعور اور قلم کے درمیان ربط باندھنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ ان لمحات میں شعوری طور پر میں نے ہمیشہ خود کو صرف اس ہی جد و جہد میں پایا ہے کہ کہیں میں لاشعور اور قلم

http://emad-ahmad.com/

کے درمیان نہ آجاؤں۔ ایسے میں مجھے اپنے شعور کی کم مائیگی پر ترس بھی آتا ہے کیونکہ یہ لاشعور اور قلم کی باہمی رفتار کا ساتھ دینے سے حد درجہ قاصر نظر آتا ہے۔

اس پوری تمہید کا خلاصہ یہ ہوا کہ میں شاعری برائے شاعری نہیں کر سکتا۔ نہ ہی میں شعوری کاوش سے شاعری کی طرف راغب ہوں۔ بس اتنا ہے کہ برسوں اپنی ذات کا سفر کرنے کے بعد اب میں اندر باہر سے ایک مخصوص سانچے میں ڈھل چکا ہوں اور قلب کا پیالہ چھلک رہا ہے تو اظہار ہو رہا ہے۔ یہ اظہار میں کئی انداز میں کر رہا ہوں اور کیونکہ اللہ عزوجل نے شعر گوئی کی صلاحیت بھی عطا کی ہوئی ہے تو اس میں بھی یہی ظہور ہو رہا ہے۔

میں جب کبھی اپنی زندگی کے باطنی سفر کا موازنہ اپنی شاعری سے کرتا ہوں تو مجھے تجربات اور تخلیق کی یہی ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔ گویا یہ شاعری کی کتاب کم اور اندر کے سفر کی روداد زیادہ ہے۔ اب کیونکہ اندر کے مسافر تو آپ بھی ہیں۔ ایک نفس اپنے ہزاروں تیر لے کر آپ میں بھی پوشیدہ ہے اور ایک قلب اپنے حصے کا نور پانے کے لئے آپ میں بھی سرگرداں ہے تو یہ آپ کے اندر کے سفر کے لئے بھی اہم ہے۔

https://emad-ahmad.com/

اب اگر سفر کے بارے میں گفتگو ہو ہی رہی ہے تو اتنا مزید عرض کرتا چلوں کہ ہر انسان کی طرح میں نے بھی اپنی زندگی میں محرومیوں، ناکامیوں اور کمزوریوں کا ایک لمبا سلسلہ دیکھا ہے۔ حوادث اور اپنے ہاتھوں کے کمائے ہوئے دکھوں کا سامنا کیا ہے۔ تشنگی اور تشنہ کامی دونوں کا ذائقہ چکھا ہے۔ مگر اطمینان اس بات کا ہے کہ میں انسانوں کی اس اقلیت سے تعلق رکھتا ہوں جنہوں نے ناکامیوں، محرومیوں اور تشنہ کامیوں کے ذائقے پہلے چکھے اور کامیابی بعد میں دیکھی۔ ناکامی منزل پر ملے تو کربِ ذات بن جاتی ہے مگر یہی ناکامی اگر کامیابی کا سنگِ میل ہو تو زندگی کے سفر نامے کی جان ہوتی ہے۔

پھر اس سے بھی بڑھ کر خوش کُن بات یہ ہے کہ میرے سفر کی سمت محض مادی زندگی میں ایسی نہیں رہی بلکہ شعوری اور قلبی سفر بھی اسی نوعیت کا رہا۔ میں نے بہت انسانوں کو شعوری اور قلبی سفر میں انحطاط پذیر دیکھا ہے۔ اس سفر میں رکنے، پھسلنے، گرنے، راہ بدلنے اور واپس پلٹ جانے کے امکانات مادی دنیا کے سفر سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ میری زندگی کا اصل سرمایہ اندر کے اس سفر میں حاصل ہونے والا وہ قُطب نما ہے جو ایک بھی قدم غلط پڑنے کی صورت میں فی الفور درست راستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔

یہی وہ رمز ہے جو برسوں قلب کو تھامے رہا ہے اور اب میرے اندر باہر رچ بس گیا ہے۔ غار، لوح، خواب، تاویل، مدین، خضر، دیوار، کشتی، دریا، چٹان اور ایسے ہی کئی الفاظ در حقیقت الفاظ نہیں بلکہ اپنے اپنے اندر مکمل سفر ہیں۔ میری شاعری میں نفس اور قلب کی گردان انہی راہوں میں رکھے جانے والے قدم ہیں۔ اگر کہیں ہجر و وصال ہے تو اس کا ماخذ یہی سفر ہیں۔ اگر کہیں غمِ دوراں ہے تو وہ غمِ ہستی ہی کے پس منظر میں کھڑا ہے۔ یہ سب اسی ایک رمز کے شاہد ہیں۔ اب یہ رمز کھلنا چاہتا ہے مگر زبان کو یارا کہاں۔ میں نے پہلے قلب و آگہی میں اور اب کیمیا گر کے اندر صاحبِ قلب افراد کے لئے نشانِ راہ چھوڑ دیے ہیں۔ میری دعا ہے کہ کچھ لوگ بات کی رمز ضرور پا لیں۔

قلب و آگہی کی طرح اس کتاب میں بھی کسی ادیب کا لکھا ہوا مقدمہ موجود نہیں ہے۔ وجہ میری وہی ضد ہے کہ یہ شاعری کی کتاب نہیں ہے بلکہ اندر کے سفر کی داستان ہے۔ میری کسی بھی کتاب کا دیباچہ اگر کبھی کوئی لکھے گا تو وہ ایسا شخص ہو گا جو اس سفر کو پورا نہیں تو کم از کم ادھوری طور پر تو سمجھ چکا ہو گا۔ ایسا وقت آنے تک میں اپنی تحریر ہی کو مقدمہ سمجھتا ہوں اور قاری کو دعوت دیتا ہوں کہ شعر سے آگے جا کر بات کی روح تک رسائی حاصل کرے۔ اسی لئے میں نے اوپر لکھا ہے کہ میں نے صاحبِ قلب لوگوں کے لئے نشانِ راہ رکھ دیے ہیں۔

https://emad-ahmad.com/

مجھے اس بات پر تو طمانیت محسوس ہوتی ہی ہے کہ میں شعوری کی بجائے لاشعوری شاعری کر رہا ہوں اور شعر میں بھی جگ بیتی نہیں بلکہ آپ بیتی لکھ رہا ہوں مگر اس سے بھی زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ یہ آپ بیتی بھی صرف ذاتی نہیں بلکہ قلبی واردات سے متعلق ہے۔ شاعری کی اس کتاب کا اندر کے سفر سے منسلک ہونا مجھے گوناگوں تسکین دیتا ہے۔

ایک تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ آورد نہیں آمد ہے، دوسرا یہ کہ الحمد للہ میرے اندر کے سفر کی سمت درست رہی، تیسرا یہ کہ اب میرا اندر اس قابل ہو رہا ہے کہ اس کی عملداری کا دائرہ ذات سے نکل کر حقیقی دنیا میں کسی تبدیلی کا شاخسانہ بن رہا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں اپنے ایک دیرینہ خوف سے نجات محسوس کرتا ہوں۔

اس خوف کا پس منظر یہ ہے کہ تقریباً ایک دہائی ہوئی جب سورۃ الشعراء کی ان آیات نے کہ زیادہ تر شعرا وادیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں، میرا شاعری سے دل ہی اُچاٹ کر دیا تھا۔ میں نے جو کم و بیش سات برس تک کچھ نہیں لکھا اس کے پیچھے ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ اب اس خوف سے نجات یوں محسوس کرتا ہوں کہ میں جانتا ہوں یہ اشعار جو

میں اب لکھ رہا ہوں یہ وادیوں میں بھٹکتے ہوئے نہیں بلکہ دو دریاؤں کے سنگم پر واقع ایک مضبوط چٹان کے اوپر بیٹھ کر لکھ رہا ہوں۔

والسلام

عماد احمد

لاہور

۲۱ رجب المرجب، ۱۴۴۲ ہجری

بمطابق ۶ مارچ ۲۰۲۱ء

https://emad-ahmad.com/